سرسیدؒ تحریک اور ادبی تغیرات

ڈاکٹر شمیم طارق*

Abstract:

Sir Syed's contributions for the betterment and empowerment of the Muslims are great. His greatest achievement was the Aligarh Movement which contributed a lot for the regeneration and revival of the Muslims of the Sub-Continent. Sir Syed and his colleagues by their combined efforts tried to revive the spirit of progress within the Muslim community of India. A number of Muslim Urdu prose writers of eminence, historians and essayists came to the front. Sir Syed's himself wrote a number of books like Asarus Sanadeed, Asbab-e-Baghawat-e-Hind and Tehzib-Ul-Akhlaq and succeeded in marking people realize the value of modern knowledge and gave new directions to Muslim social and political thoughts. Sir Syed's companions like Molana hali, Shibli Nomani and Molana Zakaullah also tried to revive people of subcontinent through literary contributions. Literary works of Maulana Hali like Musaddas, biography of Sir Syed, Mirza Ghalib, and of Shekh Saadi are considered as one of the great contribution to Urdu literature. Similarly, shibli Nomani's books like Al Farooq, Al Gazali, Al Mamoon, Al Kalam, and Seratun Nabi are so famous and authentic that history student uses them as reference book for their research paper. Moreover, Molvi Zakaullah wrote many books on science and mathematics and the history of medieval India. Thus, these all people with great power of knowledge were the backbone of Aligarh Movement and their main motive was to fight and sought against old customs and traditions.

* شعبہ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

علی گڑھ تحریک، برصغیر پاک و ہند کی فضا میں اوّلیں تحریک ہے جو ہمہ جہت طور پر ایک واضح اور وسیع مقصد اور منشور کے ساتھ منظر عام پر آئی اور اِس تحریک کو اُس عہد کے تناظر میں دیکھیں تو یہ بات بلا ریب والتباس کہی جا سکتی ہے کہ اُس دور کی مایوس اور منجمد فضا میں اِس نے ایک زبردست تحرک کو جنم دیا، جس کے اثرات، وقت کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے گئے اور آج جب کہ برصغیر کے مسلمان بالعموم اور وطنِ عزیز پاکستان کے مسلمان بالخصوص آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں تو یہ سب اُس تحرک اور بیداری کا نتیجہ ہے جو سرسیّد اور اُن کے رفقا نے پیدا کی۔

علی گڑھ تحریک کا زمانہ وہ ہے جب ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے بعد برصغیر کے باشندے، خصوصاً مسلمان ایک بدیسی حکومت کے عتاب کا نشانہ بن چکے تھے۔ ایک طرف انگریز فتح کے نشے سے سرشار اور جذبۂ انتقام سے مملو ہو کر مسلمانوں پر ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑ رہے تھے تو دوسری طرف مسلمان بھی انگریز کے خلاف نفرت اور بغاوت کے جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ گویا ع دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حکومت کو اگرچہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے ذہنی طور پر قبول نہ کیا تھا لیکن مسلمان اور انگریزوں کے درمیان ذہنی فرق زیادہ تھا، مسلمانوں سے چونکہ حکومت چھینی گئی تھی لہٰذا انگریز بخوبی جانتے تھے کہ مسلمان اُن کے کس قدر مخالف ہیں۔ ویسے بھی عیسائیوں اور مسلمانوں اور معرکہ آرائی ایک قدیم عرصہ سے چلی آ رہی تھی۔ مسلمانوں کو دبائے رکھنے کے لیے انگریز حکومت نے ہر قسم کے مظالم روا رکھنا اپنا شعار بنا لیا تھا اور انتقام کی یہ آگ ہزاروں بے گناہوں کا خون بہانے اور لاکھوں کی عزت و ناموس خاک میں ملانے کے باوجود بھی فرو نہ ہو سکی۔[۱] کیونکہ انگریزوں کو واضح طور پر علم تھا کہ ان کی حکومت کے لیے اگر کوئی قوم خطرہ بن سکتی ہے تو وہ مسلمان قوم ہی ہے چنانچہ مسلمانوں کو ذلیل ورُسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اسلامی روایات اور تہذیبی عناصر کو عوام الناس کی نظروں میں کم تر اور قابلِ نفرت بنانے کی کوشش کی گئی اور اِن کے متبادل کے طور پر اُن میں جملہ غیر اسلامی شعائر کو مکارانہ طریقے سے شعوری طور پر رائج کیا گیا۔۔۔ مسلمان جاگیرداروں اور امراء و روٴسا کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں، جس سے حد درجہ کی معاشی ابتری پیدا ہوئی اور لوگ مہاجرت پر مجبور ہو گئے۔ انگریزوں کی انتقامی پالیسیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو نہ صرف جانی و مالی زیاں سے دوچار ہونا پڑا بلکہ تہذیبی و مذہبی حوالہ سے انھیں اعصابی اور نفسیاتی طور پر مفلوج و معذور اور مقہور و مجبور کر دیا گیا۔

اِن حالات کے خلاف مسلمانوں نے عملی اور مسلح جدوجہد کا راستہ بھی اختیار کیا تھا، لیکن جنگِ آزادی کے نتائج سے یہ اَمر ثابت ہو گیا تھا کہ انگریزوں کے خلاف، عسکری جنگ لڑنا ناممکن ہے۔ سیّد احمد شہید کی تحریکِ جہاد و امامت

جس نے ولولۂ بیدار کا مظاہرہ کیا تھا، اندرونی سازشوں کی وجہ سے ناکام ہو چکی تھی، مغل بادشاہ اور نفسِ ملوکیت بھی پیش پا اُفتادہ ہوکر ناکارہ ہو چکے تھے۔ جنگِ آزادی کی مختلف قوتوں میں ہم آہنگی اور اتفاق نہیں تھا۔ (۲)

اِن حالات میں جب کہ ہندوستانی مسلمان بے یارومددگار تھے اور انگریزی حکومت اُن کے خلاف منتقمانہ کارروائیاں کررہی تھی، سرسیّداحمد خان اُن کی رہنمائی کے لیے میدانِ عمل میں نکلے۔ (۳) اُن جیسے اثر پذیر شخص کے لیے یہ عملاً ممکن نہ تھا کہ وہ محض بےفکرے تماشائی کا پارٹ ادا کرتے یا گردوپیش سے بے نیاز ہوکر دُنیا پر ایک تفریحی نظر ڈالتے اور آگے بڑھ جاتے، وہ خانہ نشیں اخبار بین نہ تھے، وہ انقلاب کے سپاہی تھے، اِس لیے انھوں نے پرجوش داعیوں اور جنگ آزما سپاہیوں کی طرح فکروعمل کی اِس آویزش میں عملی حصہ لیا۔ (۴)

سرسیّداحمد خاں نے انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین ایک نئے رویے کو جنم دینے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے ایک طرف برصغیر کے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی سعی کی کہ فلاح وفوز کا راستہ یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کو ترک کرکے اُن سے رسم وراہ رکھنی چاہے اور اِس حوالہ سے اُن سے اہلِ کتاب کے طور پر معاملات رکھے جا سکتے ہیں۔

ایسی صورتِ حالات پیدا کرنے سے سرسیّد کے پیشِ نظر دو مقاصد تھے:

۱۔ مسلمان انگریزوں کے قریب آئیں اور دونوں قوموں کے مابین منافرت خاتمہ ہو۔

۲۔ انگریزوں کے دِل سے مسلم دُشمنی خاتمہ ہو۔

اِن مقاصد کے حصول کے لیے سرسیّد نے رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' رقم کیا جس میں نہایت بےخوفی سے یہ ثابت کیا کہ بغاوت کا سبب خود انگریزوں کے پالیسیاں ہیں۔ جس کا ثبوت عیسائی مشنریوں کی کارروائیاں اور انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا معاشی، معاشرتی اور مذہبی استحصال ہے۔

۱۸۶۳ء میں غازی پور میں ایک مدرسے کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ساتھ ہی ایک سوسائٹی ''سائنٹفک سوسائٹی'' بھی بنائی گئی۔ ۱۸۶۶ء میں اِس سوسائٹی کا ایک اخبار جاری کیا گیا، جس میں سوسائٹی کے جلسوں میں پڑھی جانے والی تقاریر شائع ہوتی تھیں۔ ۱۸۷۰ء میں انگلستان سے واپسی پر رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری ہو جن میں ''سپیکٹیٹر'' اور ''ٹیٹلر'' کے انداز کے مضامین چھپتے تھے۔ ۱۸۷۳ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں ''مجلسِ خواستگارِ ترقیِ مسلمانان'' کے مجوزہ تعلیمی مدرسہ کی تفاصیل اور تجاویز پر غور کیا گیا۔

۱۸۷۵ء میں ایک مدرسے کا آغاز کیا گیا۔ جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ اِس مدرسے میں طالبِ علموں کو علومِ شرق وغرب پڑھائے جائیں گے مگر اِس کا مقصد انھیں انگریز بنانا نہیں ہوگا۔ ۱۸۷۷ء میں اِس کو ''محمڈن اینگلو

اورینٹل کالج'' کا درجہ دیا گیا، یہ مدرسہ دراصل علی گڑھ تحریک کا آغاز تھا۔

علی گڑھ تحریک کی تشکیل اور اِس کے اغراض و مقاصد کو اُس عہد کے تناظر میں دیکھنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سرسیّد اور اُن کے رفقا کے پیشِ نظر صرف ایک مقصد تھا کہ مسلمان قعرِ تنزل میں گرنے کے بجائے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔ اِس مقصد کا حصول صرف اُسی صورت میں ممکن تھا کہ اُس عناد کی آگ کو سرد کیا جائے جو مسلمانوں اور انگریزوں کے دِلوں میں بھڑک رہی تھی۔

سرسیّد اور اُن کے تمام تر رفقا کا تعلق ادب کے کسی نہ کسی شعبے سے تھا۔ چنانچہ اِس تحریک کے منشور پر عملی ادب کے وسائل ہی سے کیا گیا۔ یوں یہ تحریک ایک طرف سیاسی ہے تو دوسری طرف ادبی۔ اِس تحریک کی یہ دونوں جہتیں متوازی نظر آتی ہیں۔

سیاسی جہت اور ادبی جہت کے متوازی چلنے سے اگرچہ ادب پر بعض مضر اثرات بھی مرتب ہوئے تاہم اِس تحریک کے باعث مسلمانوں میں شعور کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی اور اُردو ادب بھی متعدد نئی فکریات سے روشناس ہوا اور بعض ایسے نئے رجحانات کو فروغ حاصل ہوا، جو اَب تک قابلِ اعتنا نہ تھے۔ اِس سلسلے میں اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نثرِ اُردو کو اجتماعی مقاصد سے روشناس کیا اور اس کو سہل اور سلیس بنا کر عام اجتماعی زندگی کا ترجمان اور علمی مطالب کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔(۵) اِس تحریک نے سستی جذباتیت کو فروغ دینے کے بجائے گہرے تعقل، تدبر اور شعور کو پروان چڑھانے کا عہد کیا۔۔۔ چنانچہ ادبی سطح پر علی گڑھ تحریک نے اُردو نثر کا ایک باوقار، سنجیدہ اور متوازن معیار قائم کیا اور اُسے شاعری کے مقفّٰی اور مسجع اسلوب سے نجات دِلا کر سادگی اور متانت کی کشادہ ڈگر پر ڈال دیا اور یوں ادب کی مقصدی اور افادی حیثیت اُبھر کر سامنے آ گئی۔(۶)

علی گڑھ تحریک نے سیاسی سطح پر عوام میں شعور کی بیداری کے لیے ادب کی تقریباً ہر صنف سے معاونت لی۔ اِس اعتبار سے اِس تحریک نے ادب کو ہمہ جہت طور پر متاثر کیا اور بلاشبہ تحریک سے وابستہ ادیبوں نے بعض اہم کارنامے بھی انجام دیئے۔

سرسیّد احمد خان نے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' متعدد موضوعات پر قلم اُٹھایا اور زندگی کے ہر شعبہ پر مباحث کیے۔ سرسیّد نے یہ رسالہ جاری کرتے وقت لکھا تھا:

> ''اِس پرچے کے اجراءَ سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلائزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تا کہ جس حقارت سوے سویلائزڈ یعنی مہذب قومیں اُن کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دُنیا میں مہذب و معزز قوم کہلائیں۔''(۷)

اِس رسالہ میں سر سیّد احمد خاں کے علاوہ نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی اور ذکاء اللہ نے بھی مضامین لکھے اور متعدد موضوعات پر علمی گفتگو کی۔

سر سیّد تحریک کے دور میں عیسائی مشنری متحرک تھے اور اِن مبلغین نے نبی کریم ﷺ اور دیگر نامور مسلمانوں کے بارے میں اپنی کتابوں اور رسائل و خطبات میں غلط سوانحی کوائف پیش کیے جس سے نئی نسل کے گمراہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ دوسری طرف بدیسی اقدار کے باعث نوجوانوں میں قومی حوالہ سے احساسِ کمتری کا احساس بھی راسخ ہو رہا تھا۔ چنانچہ رہنمایانِ علی گڑھ نے ایسی تصانیف رقم کیں جن میں درست کوائف اور اسلاف کے کارناموں کو روشن طرز سے پیش کیا۔

اِس مقصد کے لیے بزرگوں کی سوانح عمریاں اور تاریخ نویسی پر خصوصی توجہ دی گئی۔ سوانح نگاری سے جو قوت انفرادی طور پر حاصل کی گئی تھی تاریخ نگاری میں اجتماعی سطح پر اخذ کی گئی۔ دونوں صورتوں میں قوت کا خزینہ ماضی سے تلاش کیا گیا لیکن ارتقا کی جہت کو مستقبل کی طرف لپکنے پر مائل کیا گیا۔ (۸)

سوانح نگاری اور تاریخ نویسی کے حوالے سے مولانا حالی اور شبلی نے اُردو ادب کو زندہ شاہکار دیئے۔ حالی کی ''حیاتِ سعدی''، ''یادگارِ غالب'' اور ''حیاتِ جاوید'' جب کہ شبلی کی تصانیف ''المامون''، ''الفاروق''، ''سیرت النعمان''، ''الغزالی''، ''سوانحِ مولانا روم'' اور ''سیرت النبی ؐ'' اُردو میں سوانح و تاریخ نویسی میں زندہ اور روشن کتابیں ہیں۔ خصوصاً شبلی کی موخر الذکر کتاب ایک معرکہ آرا تصنیف ہے جس میں آپ ﷺ کے زمانے کی تہذیب و معاشرت کے ساتھ اُن اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا جو غیر مسلموں کی طرف سے کیے گئے۔ مولانا شبلی کا بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کی قدیم شان و شوکت کی تاریخ کو طرزِ جدید میں پیش کیا اور ایسے دلچسپ طریق سے لکھا کہ عوام و خواص سب اُس سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ (۹)

غیر مسلموں کے اعتراضات اور اُن کے جواب کے حوالہ سے سر سیّد کے بارہ خطبات ''خطباتِ احمدیہ'' بھی قابلِ ذکر ہے۔ جس میں سر سیّد نے ولیم مور کے اعتراضات کا نہایت مدلل جواب دیا۔

علی گڑھ تحریک نے سیاسی طور پر مسلمانوں میں شعوری بیداری کے لیے مضمون نویسی، تاریخ اور سوانح سے جہاں کام لیا وہاں ادب میں نئے رجحانات کو فروغ دینے اور مقصدی ادب کی تخلیق کے لیے نقد و نظر میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

اُردو میں (سر سیّد تحریک سے پہلے) تنقید کا کوئی باقاعدہ نظام یا نظریاتی بنیاد نظر نہیں آتی۔ لیکن سر سیّد اور اُن کے رفقا نے تنقید میں باقاعدہ نظریاتی اساس قائم کی۔

تنقید کے حوالہ سے حالؔی کی ''مقدمہ شعروشاعری'' کے ذریعے اُردو ادب میں پہلی بار مغرب کے نظریات وخیالات سے آگاہ ہوا۔ یہ تصنیف اِس حوالہ سے اہم ہے کہ اِس میں ادب اور زندگی کے رِشتے کو سائنٹفک بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ حالؔی نے مقدمہ شعروشاعری لکھ کر علی گڑھ تحریک کو بوطیقا مہیا کر دی۔ (۱۰)

حالی کی ''مقدمہ شعروشاعری'' کے علاوہ تنقید کے حوالہ سے شبلی کی ''شعرالعجم'' اور ''موازنۂ انیس و دبیر'' بھی قابلِ ذِکر ہیں جن میں متعدد نظری مباحث بھی پیش کیے گئے ہیں۔

علی گڑھ تحریک نے اپنے تہذیبی وثقافتی منشور کی تکمیل کے لیے اُردو ناول کے اِمکانات سے بھی اعتنا کیا۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد نے معاشرے کی اصلاح اور نئی نسل کی تربیت کے لیے ناول لکھے۔ اِن ناولوں کا موضوع معاشرتی، اخلاقیات اور انسانی شخصیت کی تعمیر اور تہذیب وتطہیر ہے۔ نذیر احمد کے ناول ''مرۃ العروس''، ''بنات النعش''، ''فسانۂ مبتلا'' اور ''ابن الوقت'' اِس حوالہ سے خاص طور پر قابلِ ذِکر ہیں۔

علی گڑھ تحریک کی اِس کامیابی سے اِنکار ممکن نہیں کہ اُس نے اُردو ادب کو داستان کے مافوق الفطرت عناصر سے نکال کر زندگی کے حقائق سے آشنا کیا اور اُردو میں ناول جیسی اہم صنف کو فروغ دیا۔

سرسیّد تحریک نے معاشرے کی اصلاح اور شعور کی بیداری اور سیاسی سطح پر مسلمانوں میں احساس تغیر اور ترقی کا شعور پیدا کرنے کے لیے اگرچہ زیادہ تر نثر پر انحصار کیا، لیکن شاعری جیسے موثر وسیلۂ اظہار کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ مولانا حالی اور شبلی نے اُردو مثنوی کے اِمکانات سے فائدہ اُٹھایا۔ مولانا حالؔی کی ''مسدس مدوجزر اسلام'' مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اور عہدِ حاضر میں زوالِ اُمت کا ایک منظوم خاکہ ہے۔

سرسیّد احمد خاں اور اُن کے رفقاء نے نظم ونثر میں جو کچھ تخلیق کیا وہ سیاسی سطح پر برصغیر کے مسلمانوں کی بیداری اور اُردو ادب میں نئے اِمکانات کا سبب بنا۔ ادبی سطح پر اگرچہ بعض تخلیقات میں جمالیاتی اور فنی حوالوں سے اسقام موجود ہیں تاہم اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ سرسیّد کی بدولت اُردو اِس قابل ہوئی کہ عشق وعاشقی کے دائرے سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین، اِس زور اور اثر، وسعت اور جامعیت، سادگی و صفائی سے ادا کرسکتی ہے کہ خود اِس کی استاد فارسی زبان کو آج تک نصیب نہیں۔ (۱۱)

اس تحریک سے وابستہ اہلِ قلم نے اُردو ادب کو ایک وسیع اور ہموار خیابانِ فراہم کیا۔ اِن لوگوں نے نئے اِمکانات کو روشن کیا اور ادب اور زندگی کے مابین رِشتوں کو کامیابی سے مضبوط تر کر دیا۔ ادب کو داخلِ ذات سے نکال کر خارجی حالات و ماحول کا ترجمان بنا دیا۔ اِس کے ساتھ ساتھ اِس اَمر میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اُس عہدِ انتشار میں اِس تحریک نے اجتماعی کے قیام کے لیے گراں بہا کوششیں کیں۔ سرسیّد اور اُن کے رفقاء نے ادب کی تقریباً ہر

صنف میں نئے رویوں اوراثرات کے بیج بوئے اورمقصدی ادب کی خوب آبیاری کی۔افادی ادب کے اِس نخلِ تن آور کی نشو ونما کر کے اُردو زبان کے خیابان کو اِمکان کی نئی چھاؤں بخشی۔

سرسیّدتحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں سیاسی سطح پر ترقی اور آگے بڑھنے کا شعور پیدا کرنا تھا۔دوسری طرف انگریزوں کے دِلوں سے مسلمانوں کے خلاف عناد کی آگ سرد کرنا تھا اور اِن دونوں قوموں کو قریب لا کر مسلمانوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔چنانچہ اِس تحریک کے پیش منظر کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ سرسیّد اور اُن کے رفقا نے اپنے اِس مقصد کے حصول میں کس حد تک کوشش کی اور اِن کوششوں سے برصغیر کے مسلمانوں نے کیا ثمر پایا۔

سرسیّدتحریک کی کامیابیوں کا اِس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اِس کے مخالفین اور اُن کی کوششیں صدالصجر اثابت ہوئیں اور بالآخر وہی لوگ جو اس تحریک کے منشور ہی کے مخالف تھے۔اِس کارواں میں شامل ہو گئے۔اِس تناظر میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ علی گڑھ تحریک برصغیر کی ایک ہمہ جہت تحریک تھی جو اپنے مقاصد کے حصول میں بہت حد تک کامیاب رہی۔

حواشی

۱۔ غلام حسین ذوالفقار، اُردو شاعری کا سیاسی وسماجی پس منظر، لاہور: مطبع جامعہ پنجاب، ۱۹۶۶ء، ص۹۰

۲۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص۳۱۷

۳۔ غلام حسین ذوالفقار، اُردو شاعری کا سیاسی وسماجی پس منظر، لاہور: مطبع جامعہ پنجاب، ۱۹۶۶ء، ص۹۵

۴۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، سر سیّد اور ان کے نامور رفقا، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء، ص۲۵

۵۔ ایضاً، ص۱۳۔۱۲

۶۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص۳۳۔۳۳۲

۷۔ بحوالہ: ،مقالاتِ سر سیّد، (جلد دہم) لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء، ص۳۵

۸۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص۳۵۔۳۳۴

۹۔ رام بابو سکسینہ، تاریخِ ادبِ اُردو (ترجمہ: مرزا محمد عسکری)، لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، ص۳۳۷

۱۰۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص۳۳۶

کتابیات

۱۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء

۲۔ رام بابو سکسینہ، تاریخِ ادبِ اُردو، (ترجمہ مرزا عسکری) لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن

۳۔ سیّد احمد خان، مقالات سر سیّد (جلد دہم مرتبہ اسماعیل پانی پتی)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء

۴۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، سر سیّد اور ان کے نامور رفقا، دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء

۵۔ غلام حسین ذوالفقار، اُردو شاعری کا سیاسی وسماجی پس منظر، لاہور: مطبع جامعہ پنجاب، ۱۹۶۶ء

۶۔ محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۶ء